Al-Behishat Research Archive
ISSN Online: 3006-5224
ISSN Print: 3006-5216
Publisher: Al-Behishat Education & Research Institute
Journal Frequency: BI-Annual

A Research Study of Minority Issues in Urdu Novels (From Inception to the Partition of India)

اردو ناول(ابتدا تا تقسیمِ ہند) میں اقلیتوں کے مسائل کا تحقیقی مطالعہ

Ammara
P.hd scholar,Riphah International University Faisalabad
Dr.Tahira Iqbal
Professor, Riphah International University Faisalabad

Al-Behishat Research Archive

https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

Abstrcat

This research paper critically examines the representation of minority issues in Urdu novels written between the inception of the genre in 1869 and the Partition of India in 1947. The study explores how Urdu fiction, emerging under the shadow of colonial rule and socio-political upheaval, subtly and sometimes explicitly portrayed the challenges faced by various minority groups. The novels of prominent writers such as Maulana Abdul Haleem Sharar, Munshi Premchand, Krishan Chander, and Aziz Ahmad have been analyzed in detail. These literary works address the struggles of Muslim, Christian, Jewish, peasant, laborer, and female minorities, who were often subjected to religious intolerance, social discrimination, political marginalization, and systemic exploitation. The paper demonstrates how these authors used fiction as a tool to reflect on the broader societal issues of their time while also giving voice to marginalized communities. Although overt discussions on minority oppression were limited due to colonial censorship and socio-political constraints, several Urdu novels included symbolic, incidental, or partial depictions of minority suffering. This study highlights the role of Urdu novels in documenting the complexities of identity, power dynamics, and cultural conflict, thereby contributing a significant perspective to the socio-literary discourse of pre-Partition India.

Keywords: Minority representation, Urdu novels, colonial India, socio-political issues, religious intolerance, marginalized communities, literary analysis, cultural conflict, identity and power, pre-Partition literature

اردو ناول کی ابتدا نو آبادیاتی عہد میں اس وقت ہوئی جب ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا سورج ڈوب چکا تھا اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں اور ہندوؤں سمیت تمام ہندوستانیوں کو برطانوی استعمار کے ہاتھوں شکست ہو چکی تھی اور ہندوستان اعلانیہ طور پر برطانوی راج کی نو آبادی بن چکا تھا۔ ایسے میں برطانوی تہذیب کے اثرات ادب پر بھی پڑے اور اردو داستان کی جگہ اردو ناول نے لے لی۔ اردو ناول میں جہاں معاشرے کے دیگر عناصر کی مرقع کشی کی گئی، وہاں اقلیتوں کے مسائل کو بھی کہیں بالواسطہ تو کہیں براہِ راست انداز میں بیان کیا گیا۔

اس تناظر میں انیسویں صدی کے ناولوں میں مولانا عبدالحلیم شرر کا ناول ''ملک العزیز ورجنا'' اہم ہے جو پہلی بار ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول ایک تاریخی ناول ہے جس میں ناول نویس نے عرب کے سلطان صلاح الدین ایوبی کے جنگی کارناموں اور فتوحات کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے اس ناول میں والٹر اسکاٹ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ لیکن ان کی خاصیت یہ ہے کہ انھوں نے اس کوشش میں عیسائی مذہب کو طنز و تمسخر کا نشانہ بنانے کی

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

کوشش بالکل نہیں کی ہے۔انھوں نے کروسیڈ جنگ کو موضوع بنایا ہے جس میں مسلمان اگرچہ کامیاب ہو گئے تھے لیکن اس کے بعد یورپی اقوام نے خود کو تعلیم سے جوڑ لیا تھا اور ترقی کرنے لگے تھے۔

عبدالحلیم شرر کے اس ناول میں اقلیتوں کے مسائل کو بھی جزوی سطح پر جگہ دی گئی ہے۔ناول میں ایک مقام پر دکھایا گیا ہے کہ یورپ کے چند ممالک نے ان مٹھی بھر مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا جو سیاحت یا تجارت کی غرض سے صحرائے عرب سے نکل کر یورپ آ گئے تھے اور آہستہ آہستہ مستقل طور پر وہیں بس گئے تھے۔جب پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مسلمانوں اور یورپی عیسائیوں کے مابین جنگ و جدل کا آغاز ہوا تو اس کے بدلے میں ان یورپی اقوام نے مسلمان اقلیتی خاندانوں پر قیامت ڈھادی جو عارضی یا مستقل طور پر یورپ کے بعض علاقوں میں مقیم تھے۔ایک ترک نوجوان مکالماتی انداز میں اس تناظر میں یوں گویا ہوتا ہے:

"میں ان مسلمانوں کے خون کا بدلہ لوں گا جن کو ان عیسائیوں نے چن چن کر اپنے علاقوں میں قتل کیا۔یہ نہتے تھے، بے بس تھے اور لاچار تھے جو ان کے علاقوں میں جا بسے تھے۔"(۱)

شرر کے اس ناول میں اقلیتوں کے مسائل کی ایک مبہم سی تصویر سامنے آتی ہے۔اس کے مطابق جب مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین مذہبی تصادم شدت اختیار کر گیا۔تو مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین بڑے اور وسیع پیمانے پر جنگیں ہونے لگیں۔ان جنگوں میں دونوں طرف ہزاروں انسانوں کا قتلِ عام ہوا۔ان جنگوں میں کبھی مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو جاتا اور کبھی عیسائی برتری حاصل کرنے لگتے۔انھوں نے ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب بھی عیسائی کسی جنگ میں مسلمان افواج سے جنگ ہارتے تو وہ اس کا بدلہ ان مسلمانوں سے لیا کرتے تھے جو ان یورپی ممالک میں بغرض تجارت یا سیاحت بس گئے تھے۔اس کے علاوہ ان مسلمان اقلیتی گروہوں میں چند ایسے مسلمان بھی تھے جو مسلمانوں کے مذہب و اخلاق سے متاثر ہو کر اپنا آبائی مذہب تیاگ کر اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکے تھے۔ناول میں چند مقامات پر مسلمانوں کے ساتھ یورپی عیسائیوں کے بہیمانہ سلوک کو بیان کیا گیا ہے۔

مولانا عبدالحلیم شرر کی ناول نگاری کے دوسرے عہد میں ان کا ناول بعنوان "فلورا فلورنڈا" اہمیت کا حامل ہے۔ اس ناول کا بنیادی موضوع عیسائی تہذیبوں معاشرت کے معائب کو اجاگر کرنا ہے۔اس ناول کا تعلق سرزمین اندلس سے ہے اور اس کا زمانہ اندلس میں مسلمانوں کے دورِ حکومت کا آخری عہد ہے۔اس ناول میں مولانا عبدالحلیم شرر نے عیسائی پادریوں کی سیاہ کاریوں اور گرجا گھروں کے گھناؤنے ماحول کی عکاسی کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ازدواجِ مطہرات پر الزام لگانے والے خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان کا اپنا ماحول کس قدر گھناؤنا ہے۔اس ناول میں ضمنی طور پر مسلمان اقلیت کے یورپ میں مسائل کی سمت اشارہ ملتا ہے۔انھوں نے اس بات کی نشاندہی بھی کی ہے کہ عیسائی کردار اپنی عیاری اور چالاکی

سے جہاں اقلیت میں ہوں، وہاں انسانی حقوق اور رحم دلی کا ڈھنڈورا پیٹ کر صاف بچ نکلتے ہیں لیکن جہاں وہ اکثریت میں ہوں، وہاں مسلمان اور دیگر اقلیتوں کو طرح طرح سے زدوکوب کرتے ہیں۔ ایک یورپی خطے میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، اس میں مسلمان خواتین کو مذہبی طریقے سے زندگی گزارنے پر بے جا تنگ کیا گیا اور جب مسلمان مردوں نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی تو انھیں حکومتی سرپرستی میں قتل کر ڈالا گیا جس پر قریبی مسلمان ممالک کے عوام مشکل ہو گئے اور وہاں بھی عیسائی اقلیت کو تنگ کرنے کی کوششیں ہونے لگیں تاہم حکومت نے معاملہ فہمی اور دانش مندی سے اس مسئلے پر قابو پالیا۔ اس تناظر میں ناول کا درج ذیل اقتباس خصوصی توجہ کا حامل ہے:

"مسلمان خواتین کی بے حرمتی پر مسلم اکثریتی ممالک میں ایک سخت برہمی پیدا ہو گئی تھی۔ بل کہ وہ ارادے کر رہے تھے کہ تمام عیسائیوں کو قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ قاؤس میں ایک سخت ہنگامہ ہوا اور مسلمان لشکریوں نے تمام عیسائیوں کے گھر لوٹ لیے۔ قاضی محمد بن ضیاد نے امیر وقت عبدالرحمٰن ثانی کو مشورہ دیا کہ ان واقعات سے تمام ملک میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھنے کا اندیشہ ہے اور اگر ملک کے تمام عیسائی اور مسلمان لڑپڑے تو بڑی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام والیانِ ملک کے نام اس مضمون کا ایک فرمان جاری کر دیا جائے کہ اپنے حدود کے اندر امن وامان قائم رکھنے کا پورا بندوبست کریں۔"(۲)

اس ناول میں دکھایا گیا ہے کہ عیسائی اکثریتی علاقہ جات میں مسلم اقلیت کے خلاف تشدد اور جبر کا راستہ اختیار کیا گیا۔ اس کے جواب میں مسلمان ممالک میں بھی عوام نے عیسائی اقلیتی گھروں کو لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا گیا تاہم بعد میں اس مسئلے پر قاضی اور خلیفہ کی دانش مندی سے قابو پالیا گیا۔

انیسویں صدی میں جو ناول لکھے گئے، ان میں زیادہ تر ناول مقصدی ادب کے نمایندہ ناولوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے ان میں اقلیتوں کے مسائل کی نشان دہی کا ذکر کم سے کم ملتا ہے۔ بیسویں صدی میں جو ناول نگار سامنے آئے، ان میں منشی پریم چند کا نام قابل ذکر ہے۔ منشی پریم چند بیسویں صدی کی ابتدائی نصف صدی کے بڑے ناول نویس اور کہانی کار تھے۔ وہ ترقی پسند تحریک کی بڑی آواز کے طور پر سامنے آئے۔ ان کے نمایندہ ناولوں میں "چوگانِ ہستی" ایک بڑا اور اہم ناول ہے۔ "چوگانِ ہستی" میں ہندوستانی زندگی کے بیشتر پہلوؤں کو احاطہ قلم میں لایا گیا ہے۔ یہ منشی پریم چند کا ضخیم ترین ناول ہے جو زندگی سے بھرپور ہے اور لوگوں اور مقامات کا طویل اور مسلسل منظر نامہ ہے۔ اس میں انھوں نے ہندوستانی زندگی کے ہر رخ کو اور ہندوستان کی سیاسی جدوجہد کے اہم ترین دور کو اس کی پوری وسعت کے ساتھ سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس ناول میں اقلیتی گروہوں کے مسائل کو بھی کہیں کہیں سامنے لایا گیا ہے۔ ناول میں ایک ایسے گاؤں کا منظر نامہ بھی سامنے آتا ہے جہاں ہندو اکثریت میں ہوتے ہیں اور مسلمان اقلیت میں ہوتے ہیں۔ چند اوباش ہندو اکثریت کے بل بوتے پر ایک مسلم

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

لڑکی کی آبروریزی کرتے ہیں۔اسی طرح اس ناول میں ان عیسائیوں کی مشکل زندگی کو بھی سرسری انداز میں بیان کیا گیا ہے جنہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کے آنے کے بعد ہندومت، بدھ مت اور عیسائیت کو ترک کر کے مذہب عیسائیت قبول کرلیا تاکہ انگریزوں سے ہر نوع کے مفادات کا حصول ممکن بنایا جاسکے لیکن ہندو مسلم اکثریت کے مقابلے میں انھیں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا اور جب بھی انگریز انتظامیہ مقامی ہندوستانیوں پر کوئی ظالمانہ قانون نافذ کرتے یا ہندوستانیوں کو سزا دیتے تو انگریزوں کے بجائے مقامی عیسائی اقلیتوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا اور مسلمان و ہندو اکثریت ان عیسائیوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا کرتے۔ جان سیوک کا کردار بھی ایسے ہی عیسائیوں کا نمایندہ کردار ہے جو اپنا آبائی مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کرتی ہے اور انگریزوں کی قربت حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہرتی ہے لیکن مقامی اکثریت اکثر اسے تنگ کرتی ہے اور اس کے گودام کو بھی آگ لگادی جاتی ہے:

''انھوں نے اتنا فساد برپا کرر کھا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آپ کے سوا کس کا دامن پکڑوں۔ کل سب نے مل کر گودام پر حملہ کر دیا۔ شاید آگ لگادینا چاہتے تھے۔ پر آگ تو نہ لگا سکے۔ ہاں یہ میرے ایجنٹ ہیں۔ بس سب کے سب ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان کو اور ان کے بھائیوں کو مارتے مارتے بے دم کر دیا۔۔۔ وہ لوگ مجھے وہاں سے نکال دینا چاہتے ہیں۔ اگر رر عایت کی گئی تو میرے گودام میں ضرور آگ لگادیں گے۔''(۳)

ناول بعنوان ''پردہ مجاز'' میں اس حقیقت کو بھی سامنے لایا گیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو نوآبادیاتی نظام میں مکمل مذہبی آزادی حاصل نہ تھی۔ بہت سے معاملات میں انھیں ہندو اکثریت کے قہر کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس تناظر میں قربانی کے عمل کی مثال ناول میں پیش کی گئی ہے۔ ناول میں ایک شہر میں اس جگہ کا منظر نامہ پیش کیا گیا ہے جہاں ہندو اکثریت میں رہتے ہیں۔ مسلمان اس محلے میں عیدالاضحیٰ پر قربانی کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہندو بھڑک اٹھتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اس عمل سے بزورِ طاقت روکتے ہیں۔ ایک ہندو راہنما اس عمل کو مسلمانوں کی سازش قرار دیتا ہے۔ اس تناظر میں وہ یوں گویا ہوتا ہے:

''معلوم ہوا کہ کل کسی مولوی صاحب نے پنجاب سے آکر مسلمانوں کے مجمع میں ایک تقریر کی تھی۔ اس وقت سے مسلمانوں کو قربانی کی دھن سوار ہے۔ اور ہندوؤں کو بھی یہ ضد ہے، چاہے خون کی ندی بہہ جائے پر قربانی نہ ہونے پائے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ خواجہ محمود اس جلسے کے صدر تھے۔''(۴)

اسی طرح ناول میں شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ بنیادی طور پر ہندوستان ہندوؤں کا ملک ہے۔ دوسرے مذاہب کے پیروکار یا تو باہر سے نقل مکانی کر کے ہندوستان میں آکر بس گئے ہیں یا پھر ہندو دھرم کو چھوڑ کر مسلمان یا عیسائی مذہب اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اسی لیے انھیں یا تو زبردستی دوبارہ ہندو دھرم میں واپس لایا جائے یا انھیں قتل کر دیا جائے تاکہ ہندوستان کی سرزمین سے غیر ہندوؤں کا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ اس مقصد کے

حصول کے لیے ہندو مت کے کئی پیروکاروں نے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر اقلیتوں پر زمین تنگ کر دی۔ایک ہندو ناول میں بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔اس کے علاوہ ناول میں مسلمانوں کے تحفظات کو بھی نمایندگی دی گئی ہے:

''چکر دھر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ مطلق نہیں۔مجھے تو یہی دُھن تھی کہ اس وقت قربانی ہونے نہ دونگا۔اب سوچتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ مجھ میں اتنی قوت اور ہمت کہاں سے آگئی۔میں تو یہی کہونگا کہ مسلمانوں کو لوگ ناحق بدنام کرتے ہیں۔ان کو یہ دہشت ہو گئی ہے کہ ہندو ان سے پرانا بیر چکانا چاہتے ہیں اور ان کو ہستی سے مٹا دینے کی فکر کر رہے ہیں۔اس وجہ سے وہ ذرا ذرا سی بات پر تنک اٹھتے ہیں۔''(۵)

اس ناول میں منشی پریم چند نے ہندو مسلم فسادات کو بیان کیا ہے تاہم ناول نویس بھارت میں عدم تشدد کو فروغ دینے کے حامی ہیں۔وہ ایک پرامن معاشرے کے خواہاں ہیں۔اسی لیے انھوں نے ناول بعنوان ''پردۂ مجاز'' میں ہندوؤں کے گھمنڈ اور اکثریتی مذہب ہونے کے زعم میں مبتلا چند مذہبی شدت میں مبتلا ہندوؤں کی جنونیت کو بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمان اقلیت کو درپیش مسائل کا بھی جائزہ لیا ہے۔یہ بات یاد رہے کہ اس ناول کا مرکزی موضوع اس عہد کے سیاسی اور سماجی مسائل کی ترجمانی کرنا ہیں۔تاہم انھوں نے گاندھیائی خیالات کو بھی اس ناول میں بخوبی جگہ دی ہے۔وہ ظلم و ستم کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں اور اسی لیے وہ مسلمان اقلیت کے خلاف ہونے والے ظالمانہ ہندو اکثریت کے اقدامات کو بھی کہیں کہیں بے نقاب کرتے نظر آتے ہیں۔

پریم چند کا ناول بعنوان ''میدانِ عمل'' ان کا مقبول ترین ناول ہے۔اس ناول میں درمیانے طبقے کے مزدوروں، نوجوانوں اور کاشت کاروں کی قومی جدوجہد کو ماہرانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اس ناول میں تحریک آزادی کی پوری تاریخ جھلکتی ہے۔اس میں آزادی کی تحریک سے متعلق عوامی عمل اور ردعمل کی وہ سچی تصویر دکھائی دیتی ہے جو صرف ایک بلند ترین تخلیق کار ہی پیش کر سکتا ہے۔یہ مثالیت پسندی سے حقیقت پسندی کی سمت اہم قدم ہے۔ناول میں مسلم اقلیت کی مشکلات کو بھی جزوی حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔اس ضمن میں ناول کا درج ذیل اقتباس خصوصی اہمیت کا حامل ہے:

''مجھے اگر سوراج سے کوئی خوف ہے تو یہ کہ مسلمانوں کی حالت کہیں اور خراب نہ ہو جائے۔غلط تاریخیں پڑھ پڑھ کر دونوں فرقے ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں۔مسلمان فاتح تھے اور قیاس کہتا ہے کہ انھوں نے ہندوؤں پر زیادتیاں بھی کی ہوں گی۔ہندو فاتح ہوتے تو غالباً وہ بھی مسلمانوں پر یہی زیادتیاں کرتے۔ممکن نہیں کہ ہندو موقع پا کر مسلمانوں سے فرضی عداوتوں کا بدلہ نہ چکائے۔مذہب کا دور ختم ہو رہا ہے بل کہ یوں کہو کہ ختم ہو گیا۔صرف ہندوستان میں اسکی کچھ کچھ جان باقی ہے۔''(۶)

ناول میں منشی پریم چند نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس زمانے میں جب مسلمان اور ہندو دونوں برطانوی اقتدار

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

کے تحت غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔تاہم ہندوؤں کے انگریزوں کے ساتھ مراسم کافی خوش گوار تھے۔اسی لیے کہیں کہیں ہندوؤں کو مقتدر طبقے نے خصوصی مراعات دیں۔ہندو اکثریت طبقے نے ہمیشہ اقلیتی طبقے مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کی۔ منشی پریم چند نے اسے ہندو مسلم فسادات کے تحت بیان کیا ہے۔تاہم اس حقیقت سے انکار کی گنجائش موجود نہیں ہے کہ اس عہد میں مسلمانوں کو اقلیتی مذہب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے بے شمار مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جس کا ذکر منشی پریم چند نے بالواسطہ انداز میں بیان کیا ہے۔

ناول بعنوان ''گئودان'' منشی پریم چند کا اہم ناول ہے جو ان کی ناول نگاری کے آخری عہد میں تخلیق کیا گیا۔اس ناول کو پریم چند کے بہترین ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔اس میں ہندوستان کے کسانوں کی تکلیف دہ زندگی کو دکھایا گیا ہے۔ انھوں نے ''گئودان'' میں دہقانوں پر ہونے والے مظالم کی تصویر کشی کی ہے۔انھوں نے اس میں کسان کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کو بیان کیا ہے۔پریم چند کا ماننا ہے کہ ہندوستان کے تمام طبقات مل کر کسانوں کو لوٹتے ہیں۔کسان ایسا بے چارہ شخص ہوتا ہے جو ہر کسی کے لیے ایک گائے کی مانند ہے جس سے دودھ تو سب حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن اس کو چارہ ڈالنے اور اس کا خیال رکھنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔اس حوالے سے وہ ایک اقتباس میں یوں بیان کرتے ہیں:

''یہاں تو جو کسان ہے، وہ سب کا ملائم چارا ہے۔پٹواری کو نجر اور دستوری نہ دیں تو گانو میں رہنا کٹھن، جمیندار کے چپڑاسیوں اور کارندوں کا پیٹ نہ بھریں تو نباہ نہیں، تھانے دار اور کانسٹیبل جیسے اس کے داماد ہی ہیں۔جب ان کا دورہ گانو میں ہو جائے تو کسانوں کا دھرم ہے کہ وہ ان کی ہر طرح آؤ بھگت کریں۔نہیں تو ایک رپٹ میں گانو کا گانو بندھ جائے۔ کبھی کانون گو، تقلیدار، کبھی ڈپٹی، کبھی جنٹ، کبھی کلکٹر، کبھی کپتان آتے ہی رہتے ہیں اور کسانوں کو ان کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہنا چاہیئے۔ان کے لیے رسد چارا، انڈا مرگی، دودھ گھی کا بندوبست کرنا چاہیئے۔تم پر بھی وہی بیت رہی ہے مراج۔ایک نہ ایک حاکم نت نئے بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ایک ڈاکٹر کنوؤں میں دوائی ڈالنے کے لیے آنے لگا ہے۔ایک دوسرا ڈاکٹر کبھی کبھی آکر ڈھوروں کو دیکھتا ہے۔ لڑکوں کا امتحان لینے والا انسپٹر ہے اور نہ جانے کون کون افسر ہیں۔نہر کے الگ، جنگل کے الگ، کھیت کے الگ۔''(۷)

منشی پریم چند کے اس ناول میں انھوں نے کمال مہارت سے کسان کو ایک ایسے اقلیتی گروہ کے روپ میں پیش کیا ہے جس کو دیگر تمام طبقات لوٹنا چاہتے ہیں۔انھوں نے ہندوستان میں دو طبقات بن کر اس ناول میں پیش کیے ہیں۔ان کا ماننا ہے کہ کسان ایک ایسی اقلیت ہیں جن کو دیگر تمام طبقات جن میں حکومت، سیاستدان، مہاجن، جاگیر دار، سرکاری ملازم اور دیگر شعبہ ہائے جات سے تعلق رکھنے والے افراد مل کر لوٹنا چاہتے ہیں۔کسان ایک اقلیتی گروہ ہے جو ہمیشہ سے مشکلات کا شکار ہے۔پریم چند کے ناولوں میں اقلیتوں کے مسائل اور مشکلات کو جزوی سطح پر بیان کیا گیا ہے۔

کرشن چندر اردو ادب کے عہد ساز ادیب اور بڑے ناول نگار ہیں۔ان کا پہلا ناول بعنوان ''شکست'' اگرچہ کشمیر کی

تہذیب و ثقافت سے متعلق ہیں۔تاہم اس ناول میں انھوں نے اکثریت و اقلیت کے مابین جھگڑوں اور اس سے جڑے مسائل کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ یہ ناول بنیادی طور پر تین ابواب میں منقسم ہے۔اس ناول کے دوسرے باب بعنوان ''عمل '' میں بین الاقوامی سطح پر ہونے والے ان جھگڑوں کا ذکر کیا ہے۔ان کا خیال ہے کہ اکثریتی طبقات اور اقلیتی طبقات میں یہ جھگڑے عام سی بات ہیں۔بھارت میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔وہ اکثریتی طبقے سے بے پناہ نفرت کرتے ہیں اور اسی طرح ہندو مسلمانوں سے ہمیشہ شاکی رہتے ہیں۔دونوں ایک دوسرے کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔تاہم مسلمان چونکہ اقلیت میں ہیں،اسی لیے انھیں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔دوسری طرف دنیا میں مہذب کہلائی جانے والی ریاستوں کی صورت حال بھی ایسی ہی ہے۔وہاں بھی عیسائی اکثریت میں ہیں اور یہودیوں سے بے پناہ نفرت کرتے ہیں۔یہ بات یاد رہے کہ یہودی دنیا میں اقلیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ان کو دوسری جنگ عظیم میں بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔اکثریت اور اقلیت کے اس مسئلے کو انھوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''بے شمار ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے محض اسی جذباتیت کی بنا پر نفرت کرتے ہیں۔بہت سے عیسائی چاہے وہ کسی ملک کے ہوں،یہودیوں سے ایسی جذباتیت کی بنا پر نفرت کرتے ہیں۔''(۸)

اس ناول کے تیسرے باب بعنوان ''زہر آب'' کا آغاز ہی مسلمان اقلیت کی لاچارگی اور بے بسی سے ہوتا ہے۔اس باب کے ابتدا میں ایک مسلمان ڈاکٹر کی معطلی اور اس کی بدنامی کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ معطلی اس کی شرافت اور رحم دلی کی وجہ سے ہوئی تھی۔اس کا قصور فقط یہ تھا کہ اس نے چندرا نامی خاتون کو موہن سنگھ کی تیمارداری کی اجازت دے کر موہن سنگھ کی جان بچالی۔اگر وہ مریض کی دیکھ بھال موہن سنگھ کے لواحقین کے سپرد کرتا جو اس کی موت کے بعد اس کی زمین اور جائیداد کے مالک ہوتے تو مریض کی جو گت بنتی،اس کا ہر ذی ہوش فرد بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔اس تناظر میں،ناول کا درج ذیل اقتباس خصوصی توجہ کا استحقاق رکھتا ہے:

''دوسرے دن شام کو پتا چلا کہ چندرا اور موہن سنگھ کے معاملے میں ڈاکٹر کے طرزِ عمل کی تحقیقات کے سلسلہ میں حکام بالا دست نے ایک سرکاری کمیشن مقرر کیا ہے، جس کا اکثریت ہندوؤں کی ہے اور یہ کمیشن نہ صرف مقرر ہو چکا ہے بل کہ ماندر کی وادی کو بھی بھیجا جا چکا ہے۔ بلکہ وہاں پہنچ چکا ہے۔کئی افسران کو ڈاک بنگلے میں ٹھہرتے تھے اور جن افسروں کے قیام کا بندوبست ڈاک بنگلے میں نہ ہو سکا۔ان کے لیے تحصیلدار صاحب کچہری کے باغ کے ایک کونے میں خیمے لگوا رہے تھے۔ چاروں طرف ایک بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ تحصیل کے مقامی اہلکار بہت ہراساں تھے۔مسلمان ڈاکٹر کو معطل کر دیا گیا تھا اور براہمنوں میں ایک جوش سا پایا جاتا تھا۔وہ اسی طرح چلتے نظر آتے تھے، گویا اپنی فتحیابی پر بیحد نازاں ہوں۔نائب تحصیلدار نے شیام سے اس معاملہ پر بحث کرتے ہوئے کہا: حضور غریب پرور میں نے آپ کو بتایا نہ تھا کہ غریب مسلمان ڈاکٹر کو اس کے

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

شریفانہ اور شریت پسند طرز عمل کی وجہ سے معطل کر دیا جائے گا اور برا ہمن اپنی مرضی کا کمیشن بلوالیں گے۔"(۹)

اس ناول میں انھوں نے ہندوستان میں مسلمان اقلیت کی حالتِ زار کو بخوبی بیان کیا گیا ہے۔ ناول میں کرشن چندر نے ہندوؤں کی انصاف پسندی کو سراہا ہے تاہم انھوں نے مسلمانوں کے معاملے میں اسے جذباتی قرار دیا ہے۔ انھوں نے ہندو اکثریت کی مسلمان اقلیت کی جانب بد گمانی کو بھی اس ناول میں بے نقاب کیا ہے۔ ناول کا کردار نائب تحصیلدار اس حوالے سے آگاہ کرتا ہے کہ ہندو بڑا انصاف پسند ہے لیکن معاملہ اگر کسی مسلمان کا ہو تو وہاں وہی ہندو انصاف نہیں کر سکتا۔ وہاں اس کا دل بے قابو ہو جاتا ہے۔ مسلمان اقلیت سے متعلق ہندو اکثریت کی بد گمانی اس حوالے سے ناول میں یوں بیان کی گئی ہے۔

"شیام نے تلخی سے کہا: اسی لئے تو حضور گرد اور گرد اور ہی رہے ہیں۔ مجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ ہندو گھرانوں میں ہر فرد اسی طرح کے سبق پڑھائے جاتے ہیں۔ بیٹا سانپ کا اعتبار کرنا، لیکن مسلمان کا اعتبار نہ کرنا۔ یہ تعلیم ہے جو بچپن میں ہمیں دی جاتی ہے۔ اسی لیے جب یہ ہندو مسلمان لڑکے بڑے ہو کر ایک دوسرے سے ملتے ہیں جو بظاہر اچھے دوست ہوتے ہوئے بھی اپنے دل کے نہاں خانوں میں مغائرت کی خلیج کو چھپائے رکھتے ہیں اور یہ رابطہ اتحاد کبھی پوری طرح مستحکم نہیں ہونے پاتا۔"(۱۰)

مجموعی طور سے اس ناول میں مسلمان جو ہندوستان کے مختلف علاقوں اور خطوں میں آباد ہیں، کی حالتِ زار کی چند جھلکیوں کو سامنے لایا گیا ہے۔ چونکہ یہ ناول ہندوستان کے بٹوارے سے قبل تخلیق کیا گیا، اس لیے کرشن چندر نے اس ناول میں ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے اندر مذہبی اور سماجی خلیج کو نہ صرف بیان کیا ہے بل کہ اکثریتی مذہب سے تعلق رکھنے کی بناپر ہندوؤں کی اجارہ داری اور مسلمانوں سے تعصب کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے۔ اس ناول میں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ہندوستان میں جب مسلمانوں نے اپنا قبضہ مکمل کر کے ہندوؤں کو اپنا غلام بنالیا اور بڑی تعداد میں ہندو مسلمان ہو گئے تو ہندو، مسلمانوں سے دلی طور سے نفرت کرنے لگے، جس کی وجہ سے نو آبادیاتی عہد میں جب مسلمانوں سے اقتدار چھن گیا، تو انھوں نے اکثریتی قوم اور مذہب ہونے کا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کو تنگ کرنے لگے۔ اس ناول میں اس ساری صورت حال کو جزوی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

عزیز احمد کا شمار ان عہد ساز ہستیوں میں کیا جا سکتا ہے جن کی زیست کا ہر لمحہ شعر و ادب کی تخلیق اور تنقید و تاریخ کی تصنیف و تالیف میں صرف ہوا۔ انھوں نے ناول نویسی کے میدان میں اپنے تخلیقی جوہر دکھائے۔ ان کا ناول بعنوان "آگ" ۱۹۴۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ دو سو بائیس صفحات پر مشتمل اس ناول کا موضوع در حقیقت وہ آگ ہے جس کی لپیٹ میں پوری وادی کشمیر ہے۔ انھوں نے اس ناول میں مسلمان اقلیت کی مشکلات کو بخوبی بیان کیا ہے۔ ہندوستان میں ہندو اکثریت نے مسلمانوں کو کئی حوالوں سے شدید پریشان کر رکھا ہے۔ حیدر آباد دکن سے ناول میں ایک میجر کا تبادلہ وادیِ کشمیر میں ہوتا ہے تو وہ بتاتا ہے کہ کشمیر میں ہندو پنڈتوں نے مسلمان اقلیت کو پریشان کر رکھا ہے۔ جمال دار نامی مسلمان اس تناظر میں جو

تلخ حقائق بیان کرتا ہے، وہ بطور اقلیت ہر مسلمان کے لیے خاصے پریشان اور دردناک ہوتے ہیں جس کا ذکر ناول میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"پہلے جناب کشمیر میں رعایا کا حال پوچھتا تھا نا تو ہم ڈرتا تھا۔ ہم سمجھا تھا شاید جناب مسلمان ہوگا شاید نہیں ہوگا؟ ادھر، تھوڑے سال پہلے ادھر بہت خونریزی قتل ہوا تھا۔ اس سے پہلے ادھر شہر میں مسجد بند تھا۔ ہم مسجد کھلوایا، اب ادھر نماز ہوتا ہے اور کوئی کوئی پنڈت جا کے پولیس کو کہہ دیتا تھا کہ یہ گائے کو مارا ہے اور جناب ادھر اس کی سخت سزا ہے۔ پولیس بہت ظالم ہے۔ پھر جناب ادھر ہم کو سزا ہو جاتا تھا۔ بہت بے گناہ آدمی ایسا سزا پایا۔ پھر جناب ادھر کانفرنس نے بغاوت کیا تھا نا۔ پھر سے پنڈت لوگ کا زور ذرا کم ہو گیا۔ جناب ادھر پہلے ہمارا عورت لوگ کو یہ پولیس اور دوسرا افسر لوگ بلاتا تھا۔ خراب کرتا تھا۔ جناب ہم دیوس کے موافق تھا۔ ہم بزدل تھا۔ اب جناب ان لوگ کا اتنا ہمت نہیں۔" (۱۱)

جمال دار اور میجر صاحب کے مابین ہونے والے اس مکالمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمان اقلیت کو ہندو اکثریت کی جانب سے سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مسلمانوں کو مذہبی معاملات میں بھی آزادی نہ تھی۔ ان کو مذہبی عبادات سے روکا جاتا تھا اور عبادت گاہوں کو بند کر دیا جاتا تھا۔ انھیں نماز پڑھنے اور قربانی کرنے سے روکا جاتا تھا۔ مذہبی پابندیوں کے ساتھ ساتھ انھیں پولیس گردی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان خواتین کی عصمت دری کے واقعات بھی عام تھے۔ گاؤ کشی کے نام پر ان کا قتلِ عام کیا جاتا تھا۔

عزیز احمد کے اس ناول میں ہندوؤں کے مسلمان اقلیت سے اسی ناروا سلوک کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانانِ ہند نے نوآبادیاتی نظام میں جب دیکھا کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد اگر بھارت میں جمہوری نظام قائم رہا تو انگریزوں کے چلے جانے کے بعد بھی مسلمان کئی صدیوں تک غلامی کریں گے۔ ہندو اپنی متعصب پالیسی اور تنگ نظری کی وجہ مسلمانوں کی زندگی دوبھر کر دیں گے۔ انھیں ساری عمر ایک اقلیت کے طور پر ہندوؤں کی حکومت تلے رہنا پڑے گا۔ اسی بنا پر مسلمانوں نے الگ وطن کا مطالبہ کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان اکھنڈ بھارت میں خوش نہیں رہ سکتے اسی وجہ سے ہندو، مسلمانوں کے مزید مخالف ہو گئے۔ انھوں نے جگہ جگہ مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔

اس تناظر میں ناول کا کردار پنڈت شیو نرائن اہم ہے جس سے متعلق حقائق ان الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں:

"سنیئے جناب خواجہ صاحب۔ آپ کا پاکستان ناقابلِ عمل ہے۔ امپریکٹیکل۔ ناقابلِ عمل۔ اور پھر پنڈت جی نے نرائن سے ہاتھ ملایا۔ عبدالکریم خواجہ اور پاکستان اور بئیر کے بھرپور گلاس کا جھاگ۔ میجر صاحب سوچنے لگے کہ اگر پاکستان ایسے لوگوں کے ذریعے ملا، ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں رہا، تو کیا تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرائے گی۔ ویلمی اور سامانی اور غزنوی اور خلجی۔ وہی شراب اور حرم۔ اور۔ اور بیچارہ جمال دار سردی میں اکڑا ہوا، کمبل اوڑھے دامن میں کانگڑی جلائے اپنی بیوی بچوں سمیت بیٹھا

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

کانپ رہا ہوگا اور معلوم نہیں چاول کچھ مہینوں بعد ملیں گے بھی یا نہیں اور کنک کی روٹی ان لوگوں کو پچتی نہیں۔ اس ویلمی، سامانی، غزنوی، قہرمانی حکومت میں اسے بھی پیٹ بھر کھانا ملے گا یا نہیں۔" (۱۲)

ناول میں عزیز احمد نے بتایا ہے کہ ہندوؤں کا ماننا تھا کہ ہندوستان ناقابلِ تقسیم ہے۔ یہ اقتصادی، معاشرتی، عسکری اور سیاسی اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ناقابلِ تقسیم میراث ہے جس کو اکھنڈ بھارت کا نام دیا جاتا ہے۔

ناول میں بتایا گیا ہے کہ ہندو اکثریت نے اردو زبان کو بھی مسلمان اقلیت سے جوڑ دیا۔ انھوں نے اردو زبان کی کھلے عام مخالفت کی۔ اردو کو مٹا کر ہندی زبان کو ابھارنے کی کوشش کی۔ درحقیقت ہندو ہر اس شے کو مٹانے کے درپے تھے جو مسلمان اقلیت کی تہذیب و ثقافت کی نمایندگی کرتی ہے۔ اسی لیے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے دس برس بعد انھوں نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور بنارس میں اردو ہندی لسانی تنازعے نے جنم لیا۔ اس سے قبل مسلمانوں کے رہنما ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دل کش دلہن کی دو خوبصورت آنکھیں کہا کرتے تھے لیکن اس کے بعد انھیں یقین ہو گیا کہ دونوں مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ دل سے متحد ہو کر کسی کام میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ اس لیے انھوں نے مسلمانوں کو انڈین نیشنل کانگریس سے بھی دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس تناظر میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہندو اکثریت نے نوآبادیاتی عہد میں مسلمان اقلیت کو ہر زاویے اور ہر پہلو سے پریشان کرنے کی کوشش کی۔ عزیز احمد نے ناول "آگ" میں اس ساری صورت حال کو یوں بالواسطہ انداز میں بیان کیا ہے:

"یہ ممکن تھا کہ وہ اردو کے بجائے ہندی کے رواج کی مخالفت کریں۔ قاضی عبدالصمد صاحب کی گزشتہ توسیع اسی شرط پر ہوئی تھی کہ وہ اردو اور ہندی دونوں کو لازمی قرار دیں اور آئندہ توسیع کی شرط یہی تھی کہ اردو رسم الخط کی خرابی اور اردو زبان میں عربی، فارسی الفاظ کی کثرت کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان کی وجہ سے اردو کے بجائے ہندی کو وسیلہ تعلیم بنانے کی تحریک کی تائید کریں۔" (۱۳)

ناول میں تحریکِ پاکستان کو بنیاد بنا کر بھی سرسری انداز میں عزیز احمد نے مسلمانوں کی مشکلات اور ہندوؤں کی بالادستی اور اکثریت کے بل بوتے پر حکومت کے قبضے کے منصوبوں کو بیان کیا ہے۔ جس عہد میں یہ ناول لکھا گیا، اس عہد میں آل انڈیا مسلم کی تحریکِ پاکستان اور انڈین نیشنل کانگریس کی ہندوستان سے آزادی کی تحریک زوروں پر تھی۔ ہندو انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کی آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اکھنڈ بھارت کی آزادی سے وہ مسلمانوں کو ہمیشہ اقلیت کے تحت غلام بنا کر اپنی مرضی کی حکومت کریں گے۔ اس تناظر میں عزیز احمد اس کہانی میں یوں گویا ہوتے ہیں:

"ادھر کانگریس کے لیڈروں کو کانفرنس کی کامیابی کا پقورا یقین تھا۔ لالہ حوالات چند نے کہا۔ امیر صاحب آپ کی مسلم لیگ کے لیڈروں نے آج تک کوئی قربانی تو نہیں دی۔ بس ڈرائینگ روم میں بیٹھے بیٹھے تقریریں کرتے رہے ہیں یا پارلیمانی داؤ پیچ کا

ایک آدھ کرتب دکھا دیا تو دکھا دیا۔ لیکن صاحب ان کرتبوں کا زمانہ گزر چکا۔ اب دیکھیے کانگریس تنہا حکومت قائم کرے گی۔ ہے مقابلے کی طاقت آپ کی لیگ میں؟ آپ کے جناح صاحب تو شاید جیل چلے بھی جائیں مگر آپ کی پارٹی کے یہ دوسرے سر اور خان بہادر جیل جائیں گے۔"(۱۴)

پاکستان کے حصول کی کوششیں کرنے کی وجہ سے بھارت میں ہندوؤں کی اکثریت مسلمانوں کے خلاف ہو گئی۔ ہندوؤں نے اس عہد میں مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لیے ہر حربہ آزمایا۔ بڑے ساہوکار اور سرمایہ دار ہندوؤں نے مسلمان ملازموں کو ان کی ملازمتوں سے زبردستی نکال دیا۔ مسلمانوں کو انھوں نے ہر حوالے سے تباہ کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے مسلم لیگ اور اس کے سرکردہ رہنماؤں کو بھی کچلنے کی کوشش کی۔ عزیز احمد چونکہ اس عہد کے نامور لکھاری اور دانش مند طبقے سے تعلق رکھنے والے ادیب تھے۔ اسی لیے انھوں نے ہندو اکثریت کی مسلمان اقلیت کے خلاف سازشوں کو اس ناول میں کھل کر بیان کیا ہے۔ یہ ناول اگرچہ کشمیر کے حالات کو مجموعی اعتبار سے موضوع بناتا ہے تاہم اس ناول میں انھوں نے مسلمان اقلیت کو ہندوستان میں درپیش مسائل کو بھی عیاں کیا ہے۔

اگرچہ اردو ناول کے آغاز ۱۸۶۹ء سے لے کر ہندوستان کے بٹوارے ۱۹۴۷ء تک کی اردو ناول نگاری کا اقلیت کی مشکلات اور مسائل کے تناظر میں جائزہ مجموعی اعتبار سے لیا جائے تو اس دور میں انگریز یہاں حکومت کیا کرتے تھے۔ مسلمان اور ہندو دونوں ہی برطانوی سامراج کے غلام تھے، اسی لیے ہندو اکثریت کو وہ طاقت حاصل نہ تھی جو عام طور پر اکثریتی فرقے کو ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اس عہد کے اردو ناول نگاروں کے ہاں اقلیتی مسائل اور مشکلات کو کھل کر بیان نہیں کیا گیا۔ تاہم چند ناول نویسوں کے ہاں اس تناظر میں بعض اوقات واضح انداز میں اور کہیں کہیں سرسری انداز میں اقتباسات نظر آ جاتے ہیں جن کا ذکر مذکورہ بالا سطور میں لیا گیا ہے۔

حوالہ جات

1۔ عبدالحلیم شرر: "ملک العزیز ورجنا" جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجرانِ کتب و پبلشرز، لاہور، ۱۹۱۳ء، ص ۱۳۱
2۔ مولوی عبدالحلیم شرر: "فلورا فلورنڈا" قومی پریس، دہلی، ۱۸۹۵ء، ص ۱۵۰
3۔ منشی پریم چند: "چوگانِ ہستی" (حصہ اوّل) دارالاشاعت پنجاب، لاہور، طبع چہارم، ۱۹۴۰ء، ص ۳۴۷
4۔ منشی پریم چند: "پردۂ مجاز" لاجپت رائے اینڈ سنز ناشران، دہلی، بارِ سوم، ۱۹۵۱ء، ص ۲۶
5۔ ایضاً، ص ۳۷
6۔ منشی پریم چند: "میدانِ عمل" مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۳۸ء، ص ۳۸۴
7۔ منشی پریم چند: "گئودان" مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، تیرھویں بار، ۱۹۹۲ء، ص ۲۷۱

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

8۔ کرشن چندر، شکست، دہلی: ایشیا پبلشرز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۳

9۔ ایضاً، ص ۱۵۳

10۔ ایضاً، ص ۱۵۵

11۔ عزیز احمد: ''آگ'' تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۵

12۔ ایضاً، ص ۱۴۸

13۔ ایضاً، ص ۱۵۲

14۔ ایضاً، ص ۲۱۲۔۲۱۱

Hawala Jaat

1. Abdul Haleem Sharar: Malik-ul-Azeez wa Rajna, J.S. Sant Singh & Sons Tajiran-e-Kutub wa Publishers, Lahore, 1913, p 131

2.Maulvi Abdul Haleem Sharar: Flora Florinda, Qaumi Press, Delhi, 1895, p 150

3.Munshi Premchand: Chaugan-e-Hasti (Hissa Awwal), Dar-ul-Isha'at Punjab, Lahore, Chaharum Edition, 1940, p 347

4. Munshi Premchand: Parda-e-Majaaz, Lajpat Rai & Sons Nashiran, Delhi, Bar-e-Saum, 1951, p 26

5. Ibid., p 37

6. Munshi Premchand: Maidan-e-Amal, Maktaba Jamia, Delhi, 1938, p 384

7. Munshi Premchand: Godaan, Maktaba Jamia, New Delhi, 13th Edition, 1992, p 271

8. Krishan Chander: Shikast, Delhi: Asia Publishers, 1998, p 113

9. Ibid., p 153

10. Ibid., p 155

11. Aziz Ahmad: Aag, Takhleeqat, Lahore, 2000, p 135

12. Ibid., p 148

13. Ibid., p 152

14. Ibid., pp 211–212